OPEN ACCESS
AL-TABYEEN
(Bi-Annual Research Journal of Islamic Studies)
Published by: ***Department of Islamic Studies, The University of Lahore, Lahore.***

ISSN (Print) : 2664-1178
ISSN (Online) : 2664-1186
Jan-jun-2022
Vol: 6, Issue: 1
Email: altabyeen@ais.uol.edu.pk
OJS: hpej.net/journals/al-tabyeen/index

موجودہ دور میں اختلاف امت کے وجوہ واسباب اور اس کا حل

(ایک تحقیقی مطالعہ)

حافظ محمد ریحان*

ڈاکٹر حافظ قدرت اللہ**

ABSTRACT

Differences and disputes are an integral part of human life. Everyone has different ideas and thoughts. Apart from that man is also a social animal. It is difficult to live in this world without the cooperation. However, there were differences in every ummah and the leaders of every Ummah would find the causes of the differences and find a solution to teach the people a lesson of unity. Today there is the suspicion among some people that Islam is full of differences and controversies. There are different sects and religions. Under the ifluence of these differences even some true Muslims oppose Islam. However, there were differences of opinion even among the companions of the Holy Prophet ﷺ on some issues. The reason for this was ignorance or lack of valid arguments or misunderstandings but there was no room for prejudice or grouping at all. He ﷺ used to resolve the differences among them in the best possible way And His Companions understood that these differences are for

* پی ایچ ڈی اسکالر، یونیورسٹی آف انجنیئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور
** اسسٹنٹ پروفیسر یونیورسٹی آف انجنیئرنگ اینڈ ٹیکنالوجی، لاہور

understanding the problems and solving them. The Muslim Ummah was not divided into sects on the basis of these differences in the time of Prophet ﷺ and his Companions. But every kind of Differences at that period were blessing. So there is nothing free from contradiction in this world. However, the Islamic Shariah, which consists of the pure Quran and Sunnah, is really pure in all respects in terms of its general principles, beliefs, worship and affairs. The apparent differences in present era are actually due to the adaptation of the texts of the mujtahids to the circumstances and events. There is a need to change the mindset of the people in order to bridge the differences that exist in the Muslim Ummah. Today, Instead of following one's own desires. So there is utmost need of unity in the society.

Keyword: اختلافات،لازمی حصہ،امت،اتحاد، سمجھ،تعصب،اسلامی شریعہ

لفظ "اختلاف" عربی زبان کا لفظ ہے اور باب افتعال سے مصدر ہے جس کا مادہ "خلف" ہے۔خَلَفَ الشَی کا معنی ہوتا ہے کہ چیز بدل گئی اور خراب ہو گئی۔ جیسے کہا جاتا یہ "خَلَفَ الطَعَام" کھانا خراب ہو گیا اور اس سے افتعال کے وزن پر اختلاف آتا ہے چنانچہ اس لفظ کی لغوی وضاحت کرتے ہوئے احمد حسن الزیات لکھتے ہیں:

" خَلَفَتْ نَفسَهٗ عَنِ الطَّعَامِ اَیْ اعْرَضَتْ لِمَرَضٍ وَ خلَفَ عَنْ خُلُقِ اَبِیْه ِ اَی لم یَتَّبِعُهٗ وَمِنْهُ اِخْتَلَفَ الشَّیْئَانِ اَیْ لَمْ یَتَّفِقَا وَلَمْ یَتَسَاوَیَا وَمِنْهُ اَلتَّخَالِیْفُ اَیْ اَلاَلْوانُ الْمُخْتَلِفَةُ وَصِیْغَةُالصِّفَةِ اَلْخِلْفَةُ الْمُخْتَلِفُ یُقَالُ الْقَوْمُ خِلْفةٌ اَیْ مُخْتَلِفُوْنَ وَاَبْنَائُ ہُ خِلْفَةٌ اَیْ نِصْفٌ ذُکورٌ وَنصفٌ اُناثٌ وَ مِنْهُ اَلْخُلْفَةُ وَالْخِلاَفُ اَیْ اَلْعَیْبُ وَالْفَسَادُ۔"[1]

خلفت نفسه عن الطعام کا معنی ہے کہ اس نے بیماری کی وجہ سے منہ موڑ لیا اور خلف عن خلق ابیه کا معنی ہے کہ اس نے اپنے باپ کے خلق وعادات کی پیروی نہیں کی اور اسی سے اختلف الشیئان ہے اس کا معنی ہے کہ وہ دونوں چیزیں آپس میں متفق اور برابر نہیں ہوئیں۔ اور اسی مادہ سے لفظ "تخالف" بنا ہے جس معنی ہے

[1] ۔الزیات، احمد حسن ،المعجم الوسیط ،احیاء التراث ،استنبول ،بیروت، س ن، ۲۵۱/۱

مختلف رنگ یا مختلف قسمیں اور اس مادہ سے صفاتی صیغہ "خلفة" اور مختلف استعمال ہوئے ہیں جیسے کہا جاتا ہے "القوم خلفته" یعنی آپس میں مختلف طرح کے لوگ اور یہ کہا جاتا ہے "ابناء خلفة" یعنی اس کی اولاد آدھے مرد اور آدھی عورتیں ہیں اور اس سے "الخلفة والخلاف" بنے ہیں جس کا معنی عیب دار اور خراب ہونا ہے۔

مذکورہ بالا لغوی صراحت سے واضح ہوا کہ خلاف اور اختلاف مختلف چیزوں میں مختلف معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے اور اس کا صلہ "عن" یا "من" بننے سے بھی معنی بدلتا رہتا ہے اور اس کے معانی میں بعض اوقات چیزیں مختلف مگر ہم شکل یا وصف ہونے کے اعتبار سے قسمیں بنائی جاتی ہیں جیسے پھلوں اور جانوروں کی مختلف انواع کا تذکرہ کہ وہ پھر مختلف ذائقوں یا مختلف رنگوں والے ہیں اسی طرح سواری والے جانور کھیتی باڑی یا بار برداری والے جانور مختلف ہونے کے باوجود ایک قسم شمار کر لیے جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کے رنگ، زبان اور شکلیں یا قدامت مختلف ہونے کے باوجود انسان کہلاتے ہیں، پس واضح ہوا کہ اختلاف بعض اوقات ظاہری ہوتا ہے اور بعض اوقات جنسی و نظریاتی ہوتا ہے۔ زیر نظر آرٹیکل میں امت کے اختلاف سے مراد نظریہ، سوچ اور فکر کا اختلاف ہے اور اس کے برعکس قرآن کریم میں لفظ تالیف استعمال کیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا﴾[1]

"جب تم دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم آپس میں بھائی بھائی بن گئے"

اس آیت کریمہ میں "فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ" کا معنی بیان کرتے ہوئے شیخ محمد بن صالح العثیمین لکھتے ہیں:

الف يعنى جمع ومنه قلنا الف فلان كتابا يعنى جمعه ، وقوله بين قلوبكم "ولم يقبل بينكم لان ائتلاف فى القلوب وہذا هو الذى عليه المداد ليس المداد الائتلاف بالاجسام ، كم من امة ائتلفت بأجسامها ولكن قلوبها متفرقة ولا فائدة من اجتماع الا بدان مع تفرق القلوب، الفائدة باجتماع القلوب۔"[2]

"الف کا معنی ہے اس نے جمع کیا، اور اسی سے ہمارا کہنا کہ فلاں نے کتاب تالیف کی یعنی جمع کی اور اللہ تعالیٰ کا فرمان یعنی تمہارے دلوں کے درمیان یہ نہیں کہا کہ تمہارے درمیان کیونکہ ائتلاف کا

---

[1] ۔ العثيمين محمد بن صالح،تفسير القرآن الكريم، مطبعه دار ابن جوزى ،مصر، س ن،تفسير سورة آل عمران، 597:1

[2] ۔تفسير القرآن الكريم، تفسير سورة آل عمران، 597:1

تعلق دلوں کے ساتھ ہے اور یہی وہ معنی ہے جس پر اتحاد کا دارومدار ہے جسموں کے ساتھ جڑنے پر دارومدار نہیں ہے کیونکہ کتنی ہی امتیں اپنے جسموں کے ساتھ تو اکٹھی ہوتی ہیں مگر ان کے دل جدا جدا ہوتے ہیں اور دلوں کے جدا ہونے کے ساتھ جسموں کا اکٹھا ہونا بے فائدہ ہے۔ اصل فائدہ دلوں کے اکٹھا ہونے میں ہے"

مذکورہ بالا تفسیر سے واضح ہوا کہ اتحاد، اتفاق اور اجتماعیت کا مطلب عقیدہ، نظریہ اور قلبی امور کا باہم متفق اور یکساں ہوتا ہے اور جب عقائد اور اصول شریعت میں اتحاد ہو گا تو وہ ایک امت اور ایک قوم شمار کیے جائیں گے اور جب دلی امور، عقائد، نظریات اور اصول شریعہ میں فرق آ گیا تو وہ لوگ متفرق، مختلف اور جدا جدا گروہ وا قوام کہلائیں گے پھر اسی آیت کریمہ میں آگے یہ چیز بتائی گئی ہے کہ اللہ کی نعمت شریعت اسلامیہ کے ذریعے تم آپس میں بھائی بن گئے اس آیت کریمہ میں باہمی اخوت پر بحث کرتے ہوئے شیخ محمد بن صالح العثیمین لکھتے ہیں:

"اصبحتم اخوانًا يعنى اخواة والأ خوةُ فى الاضلِ المقارنة او القران بينِ الشيى وكل شيئين اتفقا فى شئى واقترنا به فَهُمًا اخوان فمعنى اخوانا اى متقرنين مؤتلفين كانما بينكم رابطه النسب بل اعظم من رابطة النسب لانَ اخوّة الدين اعظم من اَخَوَّةِ النسبِ۔"[1]

" تم بھائی بھائی بن گئے اور اخوت اصل میں دو چیزوں کو باہم جوڑنے اور اکٹھا کرنے کا نام ہے۔ اور تمام ایسی دو چیزیں جو کسی بات میں متفق ہوں اور اس کے ساتھ آپس میں جڑ جائیں تو وہ دونوں بھائی کہلاتے ہیں۔ پس اخوانا کا معنی ہے آپس میں ملے ہوئے اور باہم جڑنے والے گویا کہ تمہارے درمیان نسب کا رابطہ ہے بلکہ نسب کے رابطے سے بھی بڑھ کر ہے اس لیے کہ دینی بھائی چارہ نسبی بھائی چارے سے زیادہ عظیم ہے۔"

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ جب دلی جوڑ پایا جائے اور اس عقیدے، نظریے اور اصولی جوڑ پر باہمی بھائی چارہ موجود ہو تو اسے اتحاد کہا جائے گا اور جب دلوں میں فاصلہ ہوا اور دلی امور کے متعلقہ چیزوں میں جوڑ اور مقارنت و موافقت نہ پائی جاتی ہو تو اسے اختلاف کا نام دیا جائے گا، خلاصہ کلام یہ کہ اختلاف، ائتلاف کی ضد ہے۔ اگر ائتلاف کے ہوتے ہوئے بھی کسی فروعی چیز میں دلائل کے مختلف ہونے، اجتہاد و استنباط کے انداز میں فرق یا

[1] ۔تفسير القرآن الكريم،تفسير سورة آل عمران، 598:1

اصول و قواعد کی تطبیق میں اختلاف ہے تو در حقیقت یہ اختلاف نہیں ہے بلکہ سوچ، سمجھ اور انداز فکر کا فرق ہے۔
جیسا کہ اوپر بحث میں واضح کر دیا گیا ہے کہ حقیقی اختلاف دلوں کا اختلاف ہے، اس کی دو صورتیں ہیں:

(ا) نظریاتی اختلاف، اصطلاح میں ایسی دو مختلف پارٹیوں میں سے ایک کو مسلم اور دوسری کو کافر کا لقب دیا جاتا ہے، مثلاً مسلمان، عیسائی، یہودی وغیرہ۔

اصولی اختلاف یہ ہے کہ ایک ہی ملت اور دین سے وابستہ ہو کر پھر اس میں اندرونی اختلاف پیدا ہو جائے۔ اب اگر یہ اختلاف فروعی نوعیت کا ہو، جزئیات کی حد تک ہو، کسی امر کی تاویل و تشریح میں اختلاف ہو لیکن دلوں میں اس سے دوسرے کے خلاف نفرت و بغض اور نہ ہی اس سے سیاسی یا مسلکی گروہ بندی کی نوبت پیدا نہ ہو تو یہ کوئی قابل ذکر اختلاف نہیں ہے۔ ایسا اختلاف صحابہ کرام کے درمیان حضور ﷺ کے دور اور بعد کے دور میں بھی ہوا، تابعین وائمہ کرام کے درمیان بھی رہا۔ چنانچہ اسی نکتے پر بحث کرتے ہوئے علامہ بدر عالم میرٹھی لکھتے ہیں:

"دین میں مشترک ہونے کے باوجود بعض اصول وکلیات میں اختلاف ہو جائے تو یہ اختلاف بھی دین وملت کے اختلاف کی طرح افتراق قلوب کا موجب بن جاتا ہے جیسے خوارج، معتزلہ، مرجیہ، اہل تشیع اور اہل سنت سب ایک ہی دین وملت سے وابستہ ہیں مگر بعض اصول وکلیات میں اختلاف کی وجہ سے گروہ در گروہ ہوئے اور بغض وعداوت کا شکار ہو گئے "[1]

اختلاف کی نوعیت:

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ دین کے اصولوں پر قائم رہتے ہوئے فرع کی تفصیل و تشریح میں دلائل کے مختلف ہونے یا انداز استنباط جدا ہونے سے جو اختلاف ہوتا ہے، اس کی دین میں گنجائش ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ﴾[2]

---

[1] ۔ میرٹھی، بدر عالم، ترجمان السنہ، مکتبۃ رحمانیہ، لاہور، س ن، ۳۸

[2] ۔ الشوریٰ: ۱۳

"اسی نے تمہارے لئے دین کا وہی رستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے کا) نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد ﷺ) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا (وہ یہ) کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔"

اس آیت کریمہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ دہلوی لکھتے ہیں:

"او صیناک یا محمدﷺ وایا هم دینًا واحدًا وَقالَ تعالیٰ ان هذه امتکم امُّة واحدَة یعنی مّلةَ الاسلام ملتکم وقوله ﴿ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَہُمْ بَیْنَہُمْ زُبُرًا ﴾ یعنی المشرکینَ وَالیهودِ والنصاریٰ وقال تعالی ﴿ لِکُلٍّ جَعَلْنَا مِنْکُمْ شِرْعَةً وَّمِنْہَاجًا﴾ قال ابن عباس سبیلا وسنة وقال تعالیٰ ﴿لِکُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا ہُمْ نَاسِکُوْہُ﴾یعنی شریعةَ هم عاملون بها [1]

اے محمد ﷺ ہم نے آپ کو اور ان پیغمبروں کو ایک ہی دین کی وصیت کی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک یہ تمہاری امت ایک امت ہے تو اس آیت میں امت سے مراد ہے ملت یعنی اسلام کی شریعت تمہاری سب کی شریعت ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان: پھر انہوں نے اپنے معاملے کو اپنے درمیان حصوں میں جدا جدا کر لیا اس سے مراد مشرکین، یہودی اور نصاریٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر ایک کے لیے تم میں سے شریعت اور منہج بنایا اس میں منہج اور شریعہ کا معنی ابن عباس نے کیا ہے یعنی راستہ اور طریقہ مراد ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر امت کے لیے ہم نے قربانی رکھی جس کو وہ کرنے والے ہیں تو اس سے مراد شریعت ہے جس پر وہ عمل کرنے والے ہیں۔"

ان آیات کریمہ اور اس میں مطلوب الفاظ قرآنیہ کی جو تفسیر شاہ ولی اللہ دھلوی نے کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ اصول دین اور شریعت کے احکام و مسائل کی فروعی صورتوں میں احکام و دلائل جدا جدا تھے، چنانچہ شاہ ولی اللہ دھلوی آگے چل کر مزید لکھتے ہیں:

" اعلم انَّ اصلَ الدینِ واحدٍ اتفقَ علیه الانبیاء علیهم الصلواة و السلام وانما الاختلاف فی الشرائع والمناهج۔"[2]

"تو جان لے کہ دین کی بنیاد ایک ہے جس پر تمام انبیاء کرام نے اتفاق کیا اور اختلاف صرف شرعی

---

[1]۔ دھلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، مکتبہ سلفیہ، لاہور، س ن، 86:1

[2]۔ حجۃ اللہ البالغہ، 86:1

امور اور طریقوں میں ہے۔"

پھر احکام و مسائل میں فرق کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" وانما الاختلاف فی صور ھذہ الامور واشباہھا فکان فی شریعۃ موسیٰ علیه السلام الا ستقبال فی الصلوۃ الی بیت المقدس وفی شریعۃ نبینا الی الکعبۃ وکان فی شریعۃ موسیٰ علیه السلام الرجم فقط و جات شریعتنا بالر جم للمحصن والجلد لغیرہ و کان فی شریعۃ موسیٰ علیه السلام القصاص فقط وجات شریعتنا بالقصاص والدیۃ جمیعًا[1]

"اختلاف صرف ان امور کی صورتوں اور تفریعات میں ہے لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کیا جاتا تھا اور ہمارے نبی ﷺ کی شریعت میں خانہ کعبہ کی طرف رخ کیا جاتا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف رجم کی سزا تھی اور ہماری شریعت میں شادی شدہ کے لیے رجم اور کنوارے کے لیے کوڑوں کی سزا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں صرف قصاص تھا اور ہماری شریعت میں قصاص اور دیت دونوں ہیں۔"

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ تمام انبیاء اور رسل کی شریعتوں میں عقائد و اصول ایک ہی تھے البتہ شرعی احکام اور اعمال و حدود کی صورتیں بدلتی رہی ہیں اور یہ بات بھی واضح ہوئی کہ شریعت سازی کا یہ عمل درجہ بدرجہ آگے بڑھا حتی کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر آکر اسے پورا کر دیا گیا۔ نیز اس بحث سے یہ بات بھی واضح طور پر ثابت ہوئی کہ عقائد میں یکسانیت اور بنیادی عبادات میں موافقت کو اتحاد شمار کیا جائے گا۔ پھر اعمال، عبادات اور دنیاوی امور و مسائل کی فروع میں کتاب و سنت کے دائرے میں رہ کر اختلاف ہو جاتا ہے تو یہ ناجائز ممنوع اختلاف نہیں ہے اور ایسا اختلاف ہونے پر فرقہ وایت اور مسلکی دھڑے بندی کا حکم نہیں لگے گا کیونکہ ایسا اختلاف تو عہد صحابہ و تابعین میں بھی پایا جاتا تھا۔ علامہ بدر عالم میرٹھی اس آیت سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت نوح سے لے کر عیسیٰ تک شریعتوں اور منہاج کا کھلا اختلاف رہا ہے، اس کے باوجود قرآن نے ان کے طریقے کو ایک ہی دین قرار دیا ہے اور شریعتوں کے باہمی فروعی اختلاف کو وحدت دین کے خلاف نہیں سمجھا۔ اگر شریعتوں کے فروعی اختلافات بھی افتراق و اختلاف کی حد

---

[1] ۔حجۃ اللہ البالغۃ، 86:1

میں ہیں تو اس افتراق کے ہوتے ہوئے پھر وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ (دین میں افتراق مت پھیلاؤ) کا خطاب کیونکر درست ہوتا، پچھلی آسمانی شریعتیں اور انبیاء کے صحیفے فروعی اختلافات کے باوجود ایک ہی دین کہلائے، ان کے ماننے والے ایک ہی رشتہ اتحاد و اخوت سے منسلک رہے۔ مختلف انبیاء کی امتوں کے درمیان بغض و عناد اور تعصب پیدا نہیں ہوا۔"[1]

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ جب دین کے عقائد، ارکان اسلام اور وہ احکام جو فرائض یا حلال و حرام میں اصول قرار دیے گئے ہیں۔ میں اتحاد ہوا اور فروعی چیزوں میں کتاب و سنت کے فروعی دلائل مختلف ہونے کی وجہ سے جو اختلاف ہو تو وہ فرقہ واریت کے ضمن میں نہیں آتا لہٰذا اگر صحابہ کرام کو دیکھا جائے تو اس نوعیت کا اختلاف ان لوگوں میں بھی موجود تھا مگر وہ ایک ہی جماعت تھے۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ صحابہ کے درمیان فروعی نوعیت کے اختلاف کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان تمام (صحابہ) کا حال یہ تھا کہ ان میں سے بعض لوگ (نماز میں قراءت سے پہلے) بسم اللہ پڑھتے تھے بعض نہیں پڑھتے تھے کچھ زور سے پڑھتے تھے، کچھ آہستہ سے۔ بعض لوگ نماز فجر میں دعائے قنوت پڑھتے تھے، بعض نہیں۔ ان میں ایک جماعت ایسی تھی جو قے کرنے، پچھنے لگوانے یا نکسیر پھوٹنے کے بعد تجدید وضو کی قائل تھی تو دوسری جماعت ایسی بھی تھی جو اس کی ضرورت ہی محسوس نہ کرتی تھی۔ کچھ لوگ شرمگاہ کے چھونے یا عورت کو ہاتھ لگا دینے کو ناقص وضو سمجھتے تھے تو کچھ کا مسلک اس کے خلاف بھی تھا۔ بعض لوگ آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد از سر نو وضو کو ضروری سمجھتے تھے تو بعض ایسا خیال نہیں کرتے تھے۔ کسی کے نزدیک اونٹ کا گوشت کھانا ناقص وضو تھا جبکہ دوسرے کے نزدیک ایسا نہیں تھا۔ یہ اور اسی قسم کے بیسوں اختلافات موجود تھے لیکن اس کے باوجود وہ سب ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے۔"[2]

مذکورہ بالا بحث سے واضح ہوا کہ شریعت محمدیہ آپ ﷺ پر مکمل کر دی گئی ہے اور اس شریعت کے اصول قیامت تک کے لیے سب مسلمانوں پر ماننا اور انہیں تسلیم کرنا فرض ہے۔ البتہ عبادات و معاملات میں آیات و

---

[1] ۔ علامہ صدرالدین، اختلافی مسائل میں اعتدال کی راہ، مکتبہ سلفیہ، لاہور، س ن، 145:1

[2] ۔ ترجمان السنۃ، 38:1

احادیث سے استدلال میں کتاب و سنت کی نصوص یا آپ ﷺ کے عمل سے مسائل کا استنباط کرنے میں نقطہ نظر کا اختلاف ہو سکتا ہے، کیونکہ یہ بات واضح کی جاچکی ہے کہ انسانی ذہن، صلاحیتیں اور سوچ و فکر تمام لوگوں کی یکساں نہیں ہے اور استنباط پر فرق پڑتا ہے اور طبعی میلان اور فقہ و تدبیر کی صلاحیت کم زیادہ ہونے سے بھی مختلف دلائل کا حل نکالنے میں فرق واقع ہوتا ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام، خلفائے راشدین اور تابعین عظام کے سنہری دور میں بھی کئی مسائل کے حل میں یہی اختلاف واقع ہو جاتا تھا البتہ یہ ضروری ہے کہ ان لوگوں کے اختلاف کی بنیاد اخلاص، حسنِ ظن اور ذاتی اجتہاد پر ہوتی تھی یہی وجہ ہے کہ بیسیوں مسائل میں اختلاف ہونے کے باوجود باہمی احترام اور ایک دوسرے سے محبت میں فرق واقع نہیں ہوتا تھا، چنانچہ سیدنا عثمان کے مکہ مکرمہ میں امیر حج ہونے کے دوران نماز قصر ادا کرنے کی بجائے مکمل نماز پڑھنے پر جب سیدنا عبد اللہ بن مسعود سے سوال کیا گیا کہ آپ کا فتویٰ تو دو رکعت پڑھنے کا ہے اور آپ بذات خود امام کی اقتداء میں مکمل چار رکعت نماز ادا کرتے ہیں تو اس سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے فرمایا:

"میرا فتویٰ دو رکعت نماز ادا کرنے کا ہی ہے لیکن جب تک امیر کی امارت کا قلادہ میری گردن میں ہے میں جماعت میں تفریق پیدا نہیں کر سکتا کیوں کہ تفریق شر ہے۔"[1]

صحابہ کرام کے اختلاف پر بحث کرتے ہوئے علامہ بدر عالم میرٹھی لکھتے ہیں:

"صحابہ کرام میں اگر اجتہادی و فروعی اختلاف تھا تو اس بنیاد پر ان میں کوئی گروہ بندی نہیں تھی کہ مسجد الگ ہوتی یا جماعت۔ جب پارٹیاں بنیں تو ان کی بنیاد عقائد و اعمال یعنی تفرق فی الدین نہ تھی وہ محض سیاسی معاملات پر تدبیری رائے کا اختلاف تھا۔"[2]

فروعی اختلاف کے اسباب اور ان کا حل:

صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ کرام کے درمیان بہت سے استنباطی و اجتہادی مسائل میں اختلاف ہوا اختلاف کے اسباب پر غور کیا جائے تو درج ذیل اسباب سامنے آتے ہیں۔

---

[1]۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث، سنن ابو داؤد، مکتبہ العصریہ، بیروت، س ن، رقم الحدیث: 1970

[2]۔ ترجمان السنۃ، 1:40

منطوق میں مشترک الفاظ:

اس کا مطلب ہے کہ کسی ایک مسئلہ پر دلالت کرنے والے دلائل میں کوئی ایسا لفظ پایا جائے جو ایک سے زیادہ معنی دیتا ہے اور وہ معانی کا زیادہ ہونا فقہی استنباط پر اثر انداز ہوتا ہے۔ اس کے مثال قرآن کریم میں استعمال ہونے والا لفظ "قُرُوْء" ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْءٍ﴾[1]

"اور طلاق یافتہ عورتیں اپنے نفس کے ساتھ تین حیض انتظار کریں۔"

اس آیت کریمہ میں لفظ "قُرُوْء" کی جمع ہے جس کا معنی حیض اور طہر دونوں ہیں لہذا اس لفظ کے دونوں معانی ہونے کی وجہ سے مسئلے کی تعیین میں اختلاف پیدا ہو گیا جس نے "قُرُوْء" کا معنی طہر کیا تو اس کے نزدیک عورت کی عدت تین طہر ہو گی، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام کے مابین بھی عدت کے تعین میں اختلاف واقع ہو گیا۔

چنانچہ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقد اختلف السلف والخلف والائمة فی المراد بالأ قراء ما هو على قولين احدهما المراد بها الا ظهار القول الثانى انَّ المراد بلأقراء الحيض فلا تنقضى العدة حتى تطهر من الحيضة الحيض الثالثة وقال ابو عمرو بن العلاء العرب تسمى الحيض قرء او تسمى الطهر قروء[2]

" اور تحقیق سلف، خلف اور ائمہ نے اقراء سے مراد لینے میں جو اختلاف کیا ہے وہ دو اقوال پر ہے، ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد طہر ہے اور دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے مراد حیض ہے پس عدت ختم نہیں ہو گی یہاں تک کہ عورت تیسرے حیض سے پاک ہو جائے، اور ابو عمرو بن علاء نے کہا کہ عرب حیض اور طہر دونوں کا نام قرء رکھتے ہیں۔"

پس اس سے واضح ہوا کہ مشترکہ الفاظ کے معنی کا تعین کرنے میں فقہاء کا اختلاف ہو جاتا ہے۔

---

[1] ۔البقرة۲:۲۲۸

[2] ۔تفسير القرآن الكريم، تفسير سورة البقرة ، آيت نمبر ۲۳۸

احادیث سے لاعلمی:

اس کا مطلب ہے کہ ایک مسئلے کے متعلق رسول ﷺ کا ایک فرمان موجود ہے جسے سننے اور جاننے والوں نے آگے بیان کیا اور اس سے رہنمائی لے کر مسئلہ بھی اخذ کیا اب جن حضرات کو حدیث کا علم ہے وہ اس کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں اور جن کو حدیث کا علم نہیں یا جن اہل علم تک وہ حدیث نہیں پہنچی وہ اس کے مطابق فتویٰ نہیں دیں گے لہذا دلائل شرعیہ کی عدم دستیابی یا دلائل سے لاعلمی بھی اختلاف کا باعث بن جاتی ہے اس کی مثال ابوذرسے سے مروی حدیث ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

" يقطَع صلوةَ المرء المسلمِ اذا لم يكن بينَ يديه مثلُ مو خّرةِ الرحلِ المرأة والحمار والكلبُ الا سوَدُ ۔"[1]

"مسلمان آدمی کی نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا کاٹ دیتے ہیں جب اس کے آگے کجاوے کی پچھلی لکڑی کی مانند سترہ نہ ہو۔"

جبکہ سیدہ عائشہ اس مسئلے کا رد کیا کرتی تھی اور وہ اس کے رد میں بیان کرتی تھیں:

"كان رسول الله ﷺ يُصلى من الليلِ وانا معترِضَةُ بينه وبينَ القبلةِ كاعتراض الجناذَةِ "[2]

رسول اللہ ﷺ رات کو نماز پڑھتے تھے اور میں ان کے قبلہ کے درمیان جنازے کی طرح لیٹی ہوئی تھی۔

اس دلیل کی بناپر ان کا موقف تھا کہ عورت کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی اور اس کا بنیادی سبب رسول اللہ ﷺ سے اخذ حدیث کا نہ ہونا تھا، اب جو شخص نماز کے ٹوٹ جانے کا فتویٰ دے گا تو وہ حدیث کو بنیاد بنائے گا جبکہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو فعل دیکھا اس کی بناء پر مسئلہ حل کر لیا۔

قول و فعل سے حکم کا تعین کرنے میں فرق:

اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک مسئلہ کے متعلق قولی اور فعلی مختلف روایات موجود ہوں، مگر ان کے تعارض کا حل کرنے میں اور مسئلہ اخذ کرنے میں اختلاف واقع ہو جائے، جیسا کہ ابو ایوب سے مروی ہے کہ رسول اللہ

---

[1] ۔مسلم،ابو الحسن مسلم بن الحجاج ،صحيح مسلم،دار احياء التراث العربى،بيروت،س ن،رقم الحديث: 510

[2] ۔البخارى،ابو عبدالله محمد بن اسماعيل، صحيح البخارى،دار طوق النجاة،1422ھ، رقم الحديث: 383

ﷺ نے فرمایا:

"لا تستقبلوا القبلةَ بغاَ یطٍ او بولٍ ولکن شرقو ا ا و غربوا"[1]

"تم قبلہ کو پیشاب اور پاخانے کے وقت رخ نہ کرو لیکن تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کرو۔"

دوسری طرف عبداللہ بن عمر سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں کسی کام کے لیے سیدہ حفصہ کے گھر پر چڑھا:

" فرایت رسول الله ﷺ یقضی حاجتهُ مستد بر القبلة مستقبل الشامِ۔"[2]

"تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ شام کی طرف رخ کر کے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے قضائے حاجت کر رہے تھے۔"

اب پہلی حدیث میں آپ ﷺ کا حکم ہے اور دوسری حدیث میں آپ ﷺ کا فعل اس کے معارض ہے لہٰذا دونوں کا تعارض کرنے میں اور فقہی مسئلہ اخذ کرنے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

چنانچہ اس پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

"ولولا أن حديث بن عمر دل على تخصيص ذلك بالابنيه لقلنا بالتعميم لكن العمل بالدليلين أولي من الغاء أحدهما ۔۔۔والحق أنه ليس بناسخ لحديث النهي خلافا لمن زعمه بل هو محمول على أنه رآه في بناء أو نحوه لأن ذلك هو المعهود من حاله صلى الله عليه و سلم لمبالغته في التستر"[3]

"اور اگر ابن عمر کی حدیث اس حدیث کو تعمیر شدہ لیٹرین کے ساتھ خاص کرنے پر دلالت نہ کرتی تو ہم بھی حکم عام کا لگاتے، لیکن دونوں دلیلوں کے ساتھ عمل کرنا ایک کے الغاء سے زیادہ بہتر ہے۔ اور حق بات یہ ہے کہ ابن عمر والی حدیث ناسخ نہیں ہے۔ اس کے برعکس جس نے یہ دعویٰ کیا ہے بلکہ یہ اس بات پر محمول ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو تعمیر شدہ جگہ میں دیکھا ہے کیونکہ آپ ﷺ کے چھپاؤ میں مبالغہ کرنے کی وجہ سے یہ بات عہد ذہنی میں موجود ہے۔"

ضبط و سہو کا اختلاف:

اس کا مطلب ہے کہ حدیث کو ضبط کرنے میں اس کو یاد رکھنے میں یا اس کے نقل کرنے میں راوی کا ضبط یا سہو

[1] ۔صحیح البخاری، رقم الحدیث: 383

[2] ۔صحیح البخاری، رقم الحدیث : 148

[3] ۔عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری، دارلکتب العلمیه،بیروت، 1421، 1:371

مختلف ہو جاتا ہے اور بعض اوقات سند میں یا بعض دفعہ متن حدیث میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اس کی مثال عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی مروی حدیث ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ المیّتَ لَیعذّبُ بِبکآئِ اَھلِه [1]

"بے شک میت کو اس پر اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔

اس کے متعارض عمرۃ بنت عبدالرحمن کی روایت ہے کہتی ہیں کہ میں نے سیدہ عائشہ کو سنا ان کے پاس ذکر کیا گیا کہ عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ میت کو اس پر زندہ کے رونے کی وجہ سے عذاب دیا جاتا ہے۔ تو وہ کہتی ہیں کہ:

یغفِرُالله لابی عبدالرحمن اَمَا اِنَّهٗ لَم یَکْذِبُ وَلٰکِنّهٗ نَسیَ اَوْ خَطاً إِنَّمَا مَرَّ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى يَهُودِيَّةٍ يَبْكِي عَلَيْهَا أَهْلُهَا فَقَالَ إِنَّهُمْ لَيَبْكُونَ عَلَيْهَا وَإِنَّهَا لَتُعَذَّبُ فِي قَبْرِهَا [2]

"اللہ تعالی ابو عبدالرحمن کو معاف کرے خبر دار بے شک انہوں نے جھوٹ نہیں بولا، لیکن وہ بھول گئے ہیں یا انہیں غلطی لگی ہے صرف یہ بات ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک یہودی عورت کے پاس سے گزر رہے تھے جس پر رویا جارہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک وہ اس پر رو رہے ہیں حالانکہ وہ اپنی قبر میں عذاب دی جارہی ہے۔"

تو اس واقعہ سے ثابت ہوا کہ خیر القرون میں بھی ضبط یا سہو و خطاء کی وجہ سے اختلاف واقع ہو جاتا تھا اور کتب احادیث میں اور فنون احادیث کی کتب میں سند یا متن کا اضطراب با قاعدہ عنوان ہے اور اس کی یہی وجہ ہے کہ رواۃِ حدیث کا ضبط بعض دفعہ متاثر ہو جاتا ہے اور حدیث کے الفاظ بیان کرنے میں شک، سہو و بھول یا خطاء و غلطی واقع ہو جاتی ہے جس کی وجہ فقہی مسائل میں اختلاف پیدا ہو جاتا ہے۔

اختلاف امت کی بنیادی طور پر دو صورتیں ہیں، اصولی اختلاف اور فروعی اختلاف، تاہم حدیث کی رو سے اگر دیکھا جائے تو فروعی اختلاف کو رحمت کا درجہ دیا گیا ہے تاہم اگر اختلاف اصول و عقائد میں ہو جائے تو یقینا یہ ایک مذموم اور نا قابل قبول صورت بن جاتی ہے۔ اختلاف امت کے حوالے سے وارد شدہ روایات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات کے اندر دو قسم کے الفاظ وارد ہوئے ہیں کہیں پر لفظ ملت آیا ہے اور کہیں پر فرقہ کا

[1] ۔صحیح البخاری، رقم الحدیث:1284

[2] ۔صحیح البخاری،رقم الحدیث:1289

لفظ مذکور ہے۔ جس سے اس بات کی طرف سے اشارہ مقصود ہے کہ اختلاف مذموم اس صورت میں ہو سکتا ہے، جب دین اور ملت میں پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس عنوان پر بحث کرتے ہوئے امام قرطبی لکھتے ہیں:

ان الا فترق المحذرمنه فی الایٰت والحدیث انما هوفی اصول الدین وقواعده لانهٗ قد اطلق علیها مللا و اخبران التسمک بشی من تلک الملل موجب لد خول النار و مثل هذا لایقال فی الفروع۔"[1]

" یعنی آیت کریمہ کے اندر مذموم اختلاف وہی ہے جو اصول دین اور اسلام کے بنیادی عقائد میں ہو کیونکہ اس پر لفظ ملل کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور یہ بتایا گیا ہے کہ ان اصولی اختلاف کے نتیجے میں بننے والے فرقوں کا حصہ بن جانا جہنم کا موجب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ بات فروعی اختلاف کے بارے میں نہیں کہی جاسکتی۔"

فخر الدین رازی لکھتے ہیں:

المراد من الدین مالا یختلفون فیه من معرفة ذات الله سبحانهٗ وتعالیٰ و صفاتهٗ واما الشرائع فان الا ختلاف فیها لا یسمی اختلاف فیها لا یسمی اختلافًا فی الدین [2]

" یعنی دین میں اختلاف سے مراد وہ اختلاف ہے جو اللہ تعالی کی ذات وصفات کے حوالے سے ہو جہاں تک شرائع میں اختلاف کی بات ہے تو اس کو دین میں اختلاف نہیں کہا جاسکتا۔"

ان اقوال کی روشنی میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فروعی مسائل کے اندر اختلاف کوئی مذموم چیز نہیں ہے جب تک کہ فروعی مسائل میں اختلاف تعصب اور منافرت کی حد تک نہ چلا جائے، جس طرح کہ فقہائے اربعہ کے مابین اختلاف محض نقطہ نظر اور علمی، فقہی اور تحقیقی طرز کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ اور وہ اختلاف جو عقیدے کی بنیاد پر ہو اور جنگ وجدل تک لے جائے جیسے مسئلہ خلافت وامامت، تو وہ یقینا ایک مذموم چیز ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کی وضاحت کرتے ہوئے علامہ شہرستانی لکھتے ہیں:

واعظم خلاف بین الا مة خلاف الا مامة،اذ ما سل سیف الاسلام علی قاعدة

[1] ۔القرطبی،ابو عبدالله محمد بن احمد بن ابوبکر، الجامع لا حکام القرآن، دارالکتب المصریه،قاہرہ، 130:14

[2] ۔فخر الدین رازی، ابو عبدالله محمد بن عمر، مفاتیح الغیب،دار احیاء التراث العربی،بیروت،142۰ ھ، 104:32

دينية مثل ماسل على الا مامة في كل زمان[1]

" یعنی امت مسلمہ میں سب سے بڑا اختلاف امامت کے مسئلے پر ہے، کیونکہ ہر زمانے میں امامت کے مسئلے پر نوبت تلوار تک جا پہنچی۔"

اس مذکورہ عبارت میں مسئلہ امامت سے مراد امامت سے مراد امامت کبریٰ یعنی خلافت و حکومت کا مسئلہ مراد ہے جس کو عام طور پر سیاسی مسئلہ شمار کیا جاتا ہے مگر شرعی اصولوں میں غور کیا جائے تو یہ مسئلہ بہت نازک اور اہمیت کا حامل مسئلہ ہے کیونکہ اس سے امت کی وحدت، اتحاد اور تمام عوام الناس کی فلاح و بہبود اور ساری مملکت و ریاست کا امن و امان جڑا ہوا ہے لہذا کئی احادیث میں اس مسئلہ پر رہنمائی دی گئی ہے۔ چنانچہ سیدنا عمر انصاری سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَن اَتا كُم وامرُكُم جميع علىٰ رجُلٍ واحدٍ يُرِيدُ اَن يَشُقَّ عصاكُم ويُفَرِّقَ جَمَاعَتُكُمْ فَاقْتُلُوْهُ[2]

" جو شخص تمہارے پاس آئے اس حال میں کہ تمہارا معاملہ ایک آدمی پر اکھٹا ہوا اور وہ چاہتا ہو کہ تمہارے عصا کو پھاڑے اور تمہاری جماعت کے درمیان تفرقہ ڈالے تو اسے قتل کر دو۔"

اس حدیث مبارکہ میں قانون و اختیار کے مضبوط و مستحکم ہونے اور باہمی اتحاد و اتفاق قائم ہونے کو بہت اہمیت دی گئی ہے اور اگر کوئی ان چیزوں کو توڑنے یا اس میں خرابی واقع کرنے کی کوشش کرے تو اس کے خلاف سخت کاروائی کا حکم دیا گیا ہے حتیٰ کہ اگر وہ بغاوت تک آئے اور افتراق کا موجب بنے تو اسے قتل کر دینے کا حکم دیا گیا ہے اور اس حدیث سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ امن و امان اور امامت کے اتحاد و اتفاق کے لیے مستحکم ریاست اور اس کی پختہ قانونی عملداری نہایت ضروری ہے۔ نیز عادل اور شرعی امیر کی اطاعت اور اس کی بیعت پر قائم رہنا بھی فرض قرار دیا ہے۔ تاکہ اسلامی ریاست مضبوط اور پائیدار رہے اور حکامِ وقت یکسوئی کے ساتھ عوام کی افلاح اور دین کے نفاذ کے لیے اور حدود اللہ کے قیام کے لیے فارغ اور مطمئن رہ سکیں۔

یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست سے خروج کرنے والوں کو احادیث میں قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور یہ بھی کہا

---

[1] ۔شہر ستانی،کتاب الملل و النحل، مکتبہ و مطبعہ محمد علی صبیح، قاہرہ، 1999ء ، 28:1

[2] ۔صحیح مسلم،1852:2

گیا ہے کہ جو لوگ اسلامی ریاست کے خلاف خروج کریں تو گویا انہوں نے اسلام کی چادر اتار دی اور اگر وہ اسی پر مریں تو جاہلیت کی موت مریں گے۔

فرقہ ناجیہ کے حوالے سے اختلاف:

اختلاف امت کے حوالے سے وارد شدہ روایات کا اگر تتبع کیا جائے، تو راہِ حق پر قائم فرقہ کو کئی اوصاف کے ساتھ متصف کیا گیا ہے، کہیں اسے فرقہ کہا گیا اور کہیں اسے طائفہ کہا گیا اور بعض مقامات پر اسے جماعۃ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ البتہ یہاں پر مقصود ناجی فرقہ کی تعیین ہے۔ جہاں تک ناجی فرقہ کے مصداق کا تعلق ہے، تو اس حوالے سے اگرچہ ہر فرقہ اپنے گروہ و مسلک کو مصداق قرار دیتا ہے اور اس کی وجہ بھی ظاہر ہے کیونکہ ہر فرقے نے اس حد اور نقطہ نظر کو سامنے رکھا۔ اور خود کو اس حدیث کا مصداق قرار دیا۔ احادیث پر غور کرنے اور اس کی شرح میں سلف صالحین کے اقوال مد نظر رکھنے سے اصل مصداق کی پہچان بآسانی کی جاسکتی ہے۔ اگر فرقہ ناجیہ کے حوالے سے تمام آراء اقوال کا احاطہ کیا جائے تو چند ایک صورتیں سامنے آتی ہیں۔ جن کا ذیل کی سطروں میں تذکرہ کیا جاتا ہے۔ اہل السنۃ میں سے بعض علماء اہل علم کو ناجی فرقہ قرار دیتے ہیں۔ حضرت اپنے استدلال میں یہ حدیث پیش کرتے ہیں:

" لاَ تزالَ طایفۃٌمّن اُمّتِي ظاھرينَ عَلَى الحقِّ يُقَاتِلُوْنَ، وَھُمْ اَھْلُ الْعِلْمِ [1]

" یعنی نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کہ میری امت میں حق کے لیے لڑنے والی ایک جماعت ہمیشہ موجود رہے گی اور وہ اہل علم کی جماعت ہے۔"

جمہور اصولی حضرات کی عبارات بھی اس رائے کی غمازی کرتی دکھائی دیتی ہیں، چنانچہ اجماع کی تعریف میں جماعت کے لفظ کو واضح کرتے ہوئے امام غزالی لکھتے ہیں:

"الجماع عبارۃ عن اتفاق اھل الحل و العقد۔"[2]

"یعنی اجماع اہل حل وعقد کے متفق ہونے پر قائم ہوتا ہے۔"

تو ظاہر ہے اہل حل و عقد اہل علم ہی ہو سکتے ہیں۔ اور جب ان کا کسی بھی مسئلے پر اتفاق کرنا باقاعدہ شرعی دلیل

[1] ۔صحیح البخاری، کتاب الا عتصام بالکتاب و السنۃ،149:8

[2] ۔ الغزالی ،ابو حامد ، المتحول من تعلیمات الاصول، دارالفکر، دمشق، 1980، 303:1

بن جاتا ہے تو پھر اصل ناجی گروہ بھی وہی ہوں گئے۔

محدثین بھی چونکہ اہل علم ہی ہیں تو ان کو الگ سے ذکر کرنے کی ضرورت بہر حال نہیں تھی، تاہم چونکہ بعض محدثین حضرات کا اس حوالے سے بڑا اصرار ہے کہ ناجی فرقہ سے مراد صرف وہی ہیں لہٰذا الگ ذکر کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ جب امام احمد بن حنبل سے ایک دفعہ فرقہ ناجیہ کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا:

اِنْ لَّمْ يَكُوْنُوا اَهْلُ الْحَدِيْثِ فَلَااَدْرِىْ مَنْ هُمْ؟

"یعنی اگر ناجی فرقہ سے مراد اہل حدیث نہ ہو تو پتہ نہیں، ان سے پھر کون مراد ہو گا؟"

گویا کہ امام احمد نے اس سوال پر تعجب کا اظہار کیا کہ اہل حدیث کے ہوتے ہوئے بھی کوئی دوسرا ناجی ہونے کا دعویٰ کر سکتا ہے! قاضی عیاض امام احمد بن حنبل کے اس کلام کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"انماارادا‌حمد بن حنبل اهل السنة و الجماعة من يعتقد مذہب اهل الحديث۔"[1]

"یعنی امام احمد بن حنبل کی مراد اہل سنت و الجماعت ہیں جو محدثین کے مذہب پر اعتقاد رکھتے ہیں۔"

امام بخاری کے استاد علی بن مدینی کا میلان بھی اس طرف دکھائی دیتا ہے، چنانچہ وہ حدیث:لا تزال طائفة من امتی ظاهرين على الحق کی تشریح کرتے ہوئے کہتے ہیں" هُمْ اَہْلُ الْحَدِيْثِ"[2]

"یعنی طائفہ سے مراد اہل حدیث کی جماعت ہے۔"

ابن مدینی ﷫ کے بعد ابن تیمیہ ﷫ بھی اس موقف کی پرزور الفاظ میں تائید کرتے ہوئے نظر آئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"ان احق الناس بان تكون هى الفرقة الناجية اهل الحديث و السنة الذين ليس لهم متبوع يتعصبون له الا رسول الله ﷺ وهم اعلم الناس باقواله واحواله

---

[1] ۔السبکی، علی بن عبدالکافی، الا بہاج فی شرح المعہاج، مکتبہ الکیات الازہریۃ، قاہرۃ، 1981ء ، 389:2

[2] ۔الترمذی،محمد بن عیسیٰ، جامع الترمذی، کتاب الفتن، باب ما جاء فی الائمة المضلين،شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي،مصر، 2229

واعظمهم تميزا بين صحيحا و سقيما۔"[1]

" یعنی ناجی ہونے کا سب سے زیادہ حقدار سنت و حدیث کے وارث لوگ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی کو اپنا مقتدا نہیں سمجھتے اور وہ نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کو سمجھنے اور ان کے درمیان صحیح اور سقیم کی پہچان میں سب سے زیادہ دسترس رکھتے ہیں۔"

امام شاطبی ان اقوال پر بات کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

" یعنی اس بنیاد پر جماعت کا لفظ علمائے امت، اہل شریعت اور علماء کی اقتداء کے اندر رہتے ہوئے شریعت پر عمل کرنے والے لوگوں کو شامل ہو جاتا ہے اور جو لوگ اس جماعت سے نکل جائیں در حقیقت وہی انتہاء پسند اور شیطان کے پیروکار ہیں اور ان میں تمام اہل بدع شامل ہیں۔"[2]

اسی طرح مذکورہ بالا اقوال کے علاوہ حدیث میں جو تذکرہ ہے کہ وہ طائفہ یا جماعت قتال کرتی ہو گی، تو اس کی تشریح میں امام بخاری وغیرہ کے رائے یہ ہے کہ یہاں مراد در حقیقت اہل علم ہی ہیں جو حق کے لیے آواز اٹھاتے اور مشکل وقت آنے پر دین کے دفاع کے لیے قتال کرتے ہیں اور یہی حق پر چلنے والا طائفہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ نازل ہونے پر مسیح دجال کے خلاف حق پر لڑے گا چنانچہ ایک دوسری روایت اس طرح ہے:

"اَلَا اِنَّ رَسول الله ﷺ قَالَ: لاَ تَزَالُ طَائِفَةٌ مِّنْ اُمَّتِي يُقَاتِلُوْنَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِيْنَ عَلٰى من ناوَاهُم حتّٰى يُقَاتِلَ اٰخِرَهم المسيحَ الدَّجالَ۔[3]

" نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں ایک جماعت ایسی ہو گی جو ہر زمانے میں حق پر قتال کرے گی اور اپنے مخالفین پر غالب رہے گی یہاں تک کہ ان میں آخری شخص دجال سے جنگ کرے گا۔"

---

[1]۔ابن تيميه ،ابو العباس احمد بن عبدالحليم، مجموع الفتادى، مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف، المدينة النبوية، المملكة العربية السعودية ،1416ھ،3:247

[2]۔الشاطبی، ابرہیم بن موسی، الا عتصام، المکتبه التجاریه الکبریٰ، قاہرہ، 1995ء،240

[3]۔سنن ابو داؤد، رقم الحدیث: 2128